قرآن کا دستورِ اساسی

تحریر: علامہ محمد تقی امینی

''دستورِ اساسی'' سے مراد وہ اصول وضوابط اور قانونی تشریحات ہیں جن کے مطابق زندگی کی تعمیر ہوتی ہے' حکومت کی تشکیل ہوتی ہے اور اس کا انتظام چلایا جاتا ہے۔ قرآن حکیم اصلاً اصول وضوابط ہی کی کتاب ہے' قانونی تشریحات اس میں بہت کم ہیں' لیکن جس قدر بھی ہیں وہ بطورِ 'نمونہ' اصول وضوابط سے حاصل کردہ ہیں' تاکہ ان کی روشنی میں نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی رہنمائی کے لیے مزید قوانین حاصل کیے جائیں۔

یہ طریق کار اِس ''دستور'' کے لیے ناگزیر ہے جس کی حیثیت دوامی اور عالمگیر ہو' کیونکہ بیک وقت اگر زندگی و معاشرہ سے متعلق قانون کی تفصیل بیان کر دی جاتی یا حکومت کی عملی تشکیل کا خاکہ تیار کر دیا جاتا تو وہ ایک دَور اور ایک زمانہ کے ساتھ مخصوص اور محدود ہو کر رہ جاتا اور اس میں وہ جامعیت و جاذبیت نہ پیدا ہوتی جو نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی رہنمائی کے لیے درکار ہے۔

''دستور'' سے مزید قوانین حاصل کرنے کے لیے دو قسم کے شعور کی ضرورت ہے:

(۱) شعورِ نبوت اور (۲) شعورِ اجتہاد

شعورِ نبوت سے مراد علم و حکمت کا نور اور فہم و ادراک کا وہ کمال ہے جو نبوت کے خلقی وجدان اور داخلی شعور کا نتیجہ اور فیضانِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ شعورِ اجتہاد سے مراد علم و فہم کی وہ سطح یا ذہن و فکر کی وہ رسائی ہے جو عقلی بصارت و قلبی بصیرت کا نتیجہ اور اخذ و استنباط کی صلاحیت کا ذریعہ ہے۔

ختم نبوت پر شعورِ نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا' لیکن یہ اُس وقت ختم ہوا جبکہ شعورِ اجتہاد اس کی قائم مقامی کے قابل بن گیا' یعنی اس میں اس درجہ پختگی' توانائی اور خود اعتمادی پیدا ہو گئی کہ زندگی و معاشرہ کے مسائل کو حل کرنے کے لیے اس کو بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر

© rasailojaraid.c

دیکھنے کی ضرورت نہ رہی (جیسا کہ ختمِ نبوت سے قبل رسول اور نبی کے ذریعے آسمانی ہدایت کا انتظار رہتا تھا) بلکہ وہ خود تلاش وجستجو اور غور وفکر سے یہ مسائل حل کرنے لگا۔

لیکن زندگی و معاشرہ کا تجربہ رکھنے والے ماہرین ومفکرین اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ شعور، عقلی بصارت اور قلبی بصیرت کے فیصلے اور نتائج بشری خصوصیات اور کمزوریوں سے خالص اور بے آمیز نہیں ہوتے، بلکہ طبعی حجابات اور وضعی حالات اِن دونوں میں اس قدر پیوست ہیں کہ کلی طور پر اُن کو کسی وقت جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی حالت میں لازمی طور سے شعور اجتہاد (جس کی تکوین میں دونوں کی آمیزش ہے) کے فیصلے اور نتائج نہ بالکلیہ خالص و بے آمیز ہوں گے اور نہ زندگی و معاشرہ کے مسائل حل کرنے کے لیے اس کو آزاد وخود مختار چھوڑنے کی اجازت ہوگی، بلکہ ہر موڑ اور ہر موقف پر اس کے لیے بلند و برتر رہنما کی تلاش اور ضرورت ہوگی کہ جس کی رہنمائی میں حتی المقدور اپنے فیصلے اور نتائج میں نکھار پیدا کر سکے اور جس کا دامنِ عصمت اس کی تردامنی کے لیے ذریعۂ نجات بن سکے!

یہ رہنما شعورِ نبوت ہے کہ انسانوں کی دنیا میں اس سے زیادہ کسی اور کے خالص اور بے آمیز ہونے کی ضمانت نہیں تھی۔ اس شعور سے رہنمائی حاصل کرنے کا براہِ راست سلسلہ اگرچہ ختم ہو گیا لیکن اس سے حاصل شدہ وہ علم وادراک موجود ہے جو قرآن کی معنوی دلالت سے اخذ واستنباط کیا ہوا ہے اور جس کا اصطلاحی نام ''حدیث'' ہے۔ یہ نام بھی قرآن سے لیا گیا ہے۔

قرآن حکیم میں یہ ''دستور'' اور کتابوں کی طرح یکجا نہیں بیان کیا گیا، بلکہ ایمانیات، اخلاقیات اور تاریخی واقعات وغیرہ کے ساتھ اس کو شامل کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنی دستور کوئی منفرد شے نہیں بلکہ فکری واخلاقی نظام کا ایک جزء ہے اور فلسفۂ تاریخ کی طاقت اس کی پشت پر ہے جس نے تمام اجزاء کو حیاتیاتی تعلق کے ساتھ اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ کوئی جزء دوسرے سے جدائی کے بعد اپنی مطلوبہ افادیت نہیں برقرار رکھ سکتا۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ اندازِ بیان دستور کو مؤثر بنانے، ثبات واستحکام بخشنے، وحدت ویکسانیت برقرار رکھنے اور ماضی وحال میں گہرا ربط پیدا کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔

زندگی ارتقاء پذیر ہے تو اس کو منظم کرنے والے قوانین لازمی طور سے ارتقاء پذیر ہوں گے۔ لیکن دونوں کو آوارہ گردی سے بچانے کے لیے ارتقاء کی سمت اور شاہراہ کا تعین لازمی ہے کیونکہ بغیر زندگی اور قانون کی حرکت صحیح سمت کی جانب متعین شاہراہ پر نہیں ہو سکتی۔ یہ

© rasailojaraid.com

انداز بیان نہ صرف حرکت درست رکھنے کا انتظام کرتا ہے بلکہ زندگی اور قانون کے درمیان ایسے ربط و تعلق کی نشاندہی کرتا ہے کہ دونوں کی حرکت ایک دوسرے کے لیے لازم بن جاتی ہے۔ اگر کسی زمانہ میں یہ تلازم برقرار نہ رہا اور زندگی اپنے ارتقائی مراحل میں قانون کو ساتھ رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکی تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ زندگی کی وہ شعوری سطح ابھی نمودار ہی نہیں جو اِس کو قانونی ارتقاء پر مجبور کرے' صرف چمک دمک دیکھ کر دھوکہ ہو رہا ہے اور سراب پر پانی کا حکم لگایا جا رہا ہے۔

زندگی اور قانون کی حرکت اور دونوں کے درمیان تلازم کو سمجھنے کے لیے ختم نبوت کے بعد وہ منظر دیکھنا مفید رہے گا کہ جب زندگی کو ایرانی تہذیب اور رومی تمدن سے سابقہ پڑا اور نئی نئی ضرورتیں ابھر کر سامنے آئیں جن کی بنا پر قانون کی سادگی کو تمدن کی چاشنی کا رنگ دینا پڑا اور اس حد تک دینا پڑا کہ یہ ممکن ہو گیا کہ ''دستور'' کی دوامی اور عالمگیر پوزیشن برقرار رہے۔ شعورِ نبوت کے رمز شناسوں اور شعورِ اجتہاد کے قاموس نگاروں کو اللہ کروٹ کروٹ چین نصیب کرے کہ انہوں نے جس انداز سے اس چیلنج کو قبول کیا اور جس نیت کے ساتھ قانون کے دامن کو وسیع کیا وہ قانونی تاریخ کا روشن باب ہے جو رہنمائی کے لیے کھلا ہوا ہے۔ اگر خدانخواستہ ان پر جمود طاری ہوتا یا زندگی و قانون دونوں کے ایک ساتھ ارتقاء پر اُن کا ایمان نہ ہوتا تو قرآنی دستور صرف عرب میں محدود ہو کر رہ جاتا اور نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی دائمی رہنمائی کی صلاحیت ختم ہو جاتی' پھر آج وہ اس قابل ہی نہ رہتا کہ جرأت اور ہمت اور دعویٰ کے ساتھ اس پر گفتگو کی جا سکے۔

قرآن حکیم میں ''دستور'' کی بنیاد فطرت پر قائم ہے جس کی حیثیت انکشافِ حقیقت کی ہے اور اس کے خیر و شر' جواہر و جراثیم اور طیبات و خبائث کا فیصلہ قرآن حکیم میں موجود ہے۔ سماج پر اُس کی بنیاد قائم نہیں ہے کہ جس کے خیر و شر اور خوب و ناخوب کا فیصلہ سماج کرتا ہے اور اُسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک سماج اس کی اجازت دیتا ہے۔ اس بنا پر زندگی اور قانون کے ارتقاء میں فطرت اور اس سے متعلق قرآنی فیصلوں کو نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیے' ورنہ زندگی خود زندگی سے گریزاں اور قانون آوارگی کا شکار ہو جائے گا۔

پھر یہ فطرت انسان کی فطرت ہے جس کو اللہ نے پیدا کیا اور اپنی خلافت اور کائنات کی قیادت کے عظیم منصب سے سرفراز فرمایا۔ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اُس کی کشش اللہ کی طرف ہے اور قائد ہونے کی حیثیت سے کائنات کی کشش اُس کی طرف ہے۔ زندگی کے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

حالات و مساعدت میں اگر یہ کشش اور توازن برقرار نہ رہا تو پھر قانون اور زندگی کے درمیان رابطہ کا تعلق پیدا نہ ہو سکے گا' صرف ضابطہ کا تعلق رہ جائے گا جس کی بنا پر ظاہر و باطن میں یکساں قانون کی افادیت برقرار نہ رہ سکے گی۔

قرآن حکیم میں ''دستور'' کی ابتدا اُس وقت سے بیان ہوئی ہے جبکہ انسان دنیا میں خلافت و قیادت کے منصب پر سرفراز ہو کر آیا اور انتہا اُس وقت ذکر کی گئی ہے جبکہ جوہرِ انسانیت کے قویٰ و خواص بلوغ کی حد میں داخل ہو گئے۔ اس اثناء میں دستور کے اجزاء کو مختلف مراحل سے گزارنے اور تجربہ کی کسوٹی پر کسنے کے لیے صدیوں کا نہیں بلکہ قرنوں کا موقع ملا ہے۔ اِدھر جوہر انسانیت اس کی مدد سے رفتہ رفتہ اپنی خامی و کمی دور کرتا اور اپنی قوت و توانائی میں اضافہ کرتا رہا' یہاں تک کہ اس قابل ہو گیا کہ وہ علم و حکمت کا متحمل ہو سکے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے فرائضِ منصبی میں تعلیمِ حکمت داخل کرنا خود اس بات کی قرآنی ضمانت ہے کہ اب جوہر انسانیت پختگی کے اس مرحلہ پر پہنچ گیا ہے کہ انسان کا شعور دستوری اجزاء کی غرض و غایت اور ان کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کر کے قانون و ارتقاء کو جاری رکھ سکے۔ اجتہاد کی بنیاد اسی حکمت پر قائم ہے جو ختم نبوت کے بعد نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی رہنمائی کا واحد ذریعہ اور ''دستور'' کی تکمیل کا اہم باب ہے!!

قرآن حکیم میں ''دستور'' پر شاہد افضل الرسل' خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو بنایا گیا ہے جن کے اثرات زندگی و معاشرہ پر ایسے ہی چھائے ہوئے ہیں جیسے ہر طرف آسمان چھایا ہوا نظر آتا ہے' اور جن کو موافق و مخالف سبھی نے تاریخِ انسانی کے منتخب لوگوں میں نمبر اوّل پر رکھا ہے۔ اس ذاتِ گرامی کو مقام شہادت پر کھڑا کر دینا اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ فہم و ادراک اور قول و عمل ہر لحاظ سے دنیا اور آخرت میں اس دستور کے شاہد ہیں۔

حضور ﷺ کے بعد پھر آپؐ کی وراثت کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپؐ کی شہادت کو اپنی زندگی میں رچایا اور بسایا۔ ظاہر ہے کہ فرائضِ وراثت کی ذمہ داری سے سبکدوشی صرف دستور کی ترجمانی سے نہیں ہو سکتی' بلکہ اس کے لیے ہر دَور و زمانہ میں وہ تعبیر و تشریح اور اخذ و استنباط کی صلاحیت درکار ہے کہ جس کے ذریعے نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کا رشتہ اس سے منقطع نہ ہونے پائے۔

یہ زندگی اور معاشرہ جوہرِ انسانیت کی انہی صلاحیتوں سے وجود میں آئے گا جن کی پختگی کے بعد ''دستور'' آیا ہے۔ اس بنا پر زندگی اور معاشرہ کی ترقی سے جس قدر نئی جزئیات

© rasailojaraid.com

پیدا ہوں گی اُن کا اصول وکلیات میں موجود ہونا لازمی ہے' صرف اُن سے اخذ و استنباط کی ضرورت ہے۔

قرآن حکیم میں ''دستور'' کو کامل ومکمل شکل میں پیش کیا گیا ہے کہ اب اس میں تبدیلی یا کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لیے تاریخِ انسانی کو دو حصوں میں تقسیم کرنا مناسب ہے:

(۱) قبل ختمِ نبوت اور (۲) بعد ختمِ نبوت

قبل ختمِ نبوت میں جوہر انسانیت کے قویٰ وخواص کی خامی وکمی بتدریج دُور کی جاتی رہی۔ اس لیے ہر قوم اور ہر گروہ میں رسول و نبی آتے رہے اور دستوری اجزاء کا تجزیہ کرتے رہے۔ اگر اس مرحلہ میں دستور کی تکمیل کر دی جاتی تو نہ صرف یہ کہ جوہرِ انسانیت کے قویٰ و خواص کو پختگی نہ میسر آتی بلکہ موجودہ خامی وکمی کو استقرار اور جماؤ حاصل ہو جاتا' پھر خلافت اور قیادت کا وہ تصور نہ ابھرتا جو ختم نبوت کے بعد ابھرا ہے۔

بعد ختمِ نبوت میں پہلے والی خامی وکمی دور کرنے کا مرحلہ ختم ہو چکا تھا' اب بلوغ وپختگی کے بعد قویٰ وخواص سے اُبھرنے والی صلاحیتوں کی ضابطہ بندی کا مرحلہ تھا جس کے لیے مختلف رسولوں اور نبیوں کا آتے رہنا یا دستور میں ردّ و بدل اور کمی بیشی کرتے رہنا دونوں سخت مضر تھے۔ اس بنا پر صلاحیتوں کی ضابطہ بندی کے لحاظ سے افضل الرسل ﷺ اور اُن کے لائے ہوئے دستور کو بقاء ودوام کی سعادت سے نوازا گیا۔

جوہرِ انسانیت نورانی اور حیوانی بنیادوں کے امتزاج کے بعد وجود میں آتا ہے اور اسی میں خلافت وقیادت کی صلاحیت پوشیدہ ہے۔ یہ صلاحیت نہ تنہا نورانی بنیاد میں ہے اور نہ تنہا حیوانی بنیاد میں ہے' بلکہ ان دونوں کے امتزاج میں ہے' لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوہرِ انسانیت میں نورانی وحیوانی بنیادوں کے درمیان ''تجاذبی قوت'' کی ایک حد مقرر ہے جو دونوں کی طبعی خصوصیات پر مبنی ہے۔ پختگی کے بعد اس مد میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا' ورنہ خلافت وقیادت کی صلاحیتوں کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جس طرح لوہے کے ٹکڑے میں خارجی مقناطیسی میدان کے ذریعہ فولادی مقناطیسیت پیدا کرنے میں ایک حد ایسی آتی ہے کہ پیدا شدہ مقناطیسیت میں مزید اضافہ نہیں کیا جا سکتا' خواہ خارجی مقناطیسی میدان میں کتنا ہی اضافہ کیوں نہ کر دیا جائے۔

ختمِ نبوت کے بعد جو ''دستور'' دیا گیا وہ اس ''حد'' کے لحاظ سے نہایت جامع وکامل

© rasailojaraid.com

ہے کہ ''حد'' کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے اس پر مزید اضافہ کی گنجائش نہیں اور ''حد'' کو بدل دینے میں خلافت و قیادت کا نظام درہم برہم ہوتا ہے۔ اس لیے ''دستور'' کو آخری شکل دے کر نبوت و رسالت کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔ اگر اس سلسلہ کو جاری رکھا جاتا تو ترقی کی وہ نوع نہ وجود میں آتی جو ختم ہونے کے بعد وجود میں آئی' جیسا کہ ختمِ نبوت سے قبل کے حالات وواقعات سے ثابت ہے۔

رسولوں اور نبیوں کا جوہرِ انسانیت نورانی وحیوانی بنیادوں سے ترکیب پانے کے باوجود اس کا ''آرگنائزیشن'' ابتدا ہی سے اس نوع کے دوسرے انسانوں سے مختلف ہوتا ہے' پھر خارج سے نورانی شعاعوں کے ذریعے اس کو اتنی نورانی قوت پہنچا دی جاتی ہے کہ جوہرِ انسانیت کی نورانی وحیوانی بنیادوں کے تناسب میں تبدیلی ہو جاتی ہے اور اس کے لحاظ سے علمی وعملی ایکٹویٹی (Activity) میں تبدیلی ہوتی ہے۔ اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ جس طرح برقی ومقناطیسی لہروں کے ڈالنے سے دماغی سیلوں کی برقی activity میں تبدیلی کی جا سکتی ہے جو ''سیل'' کے مثبت ومنفی چارج کے تناسب میں تبدیلی رونما ہوتی ہے اسی طرح نورانی شعاعوں کے ڈالنے سے رسولؑ اور نبیؑ کی علمی وعملی activity میں تبدیلی کی جاتی تھی جو جوہرِ انسانیت کے مثبت ومنفی (نورانی وحیوانی بنیاد) چارج کے تناسب میں تبدیلی سے رونما ہوتی تھی۔ لیکن اس تبدیلی اور نورانی شعاعوں کے ڈالنے کی بھی ایک حد مقرر ہے کہ اس کے بعد حیوانی بنیاد کے شعلے بجھ کر بشریت ختم ہو جاتی ہے اور رسول کی ذات دوسرے انسانوں کے لیے نمونہ نہیں رہتی۔

رسول اللہ ﷺ میں یہ ''حد'' انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ اس کے بعد تکمیلِ انسانیت کا کوئی اور درجہ نہ رہ گیا تھا۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ختمِ نبوت کی مستحق تھی۔ تکمیلِ انسانیت کے بعد ہی تکمیلِ ''دستور'' کا یہ مژدۂ جانفزا سنایا گیا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾ (المائدۃ:۳)

مذکورہ مثال سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ''سائنس'' جوہرِ انسانیت میں تبدیلی سے رسول اور نبی بنا سکتی ہے۔ کیونکہ جسم انسانی میں جس حد تک اس کی رسائی ہوئی ہے اسی میں اس کی کارگزاریاں حد درجہ محدود ہیں۔ مثلاً دماغی سیلوں کا ''آرگنائزیشن'' ہر انسان میں یکساں

(باقی صفحہ 40 پر)

© rasailojaraid.com